© rasailojaraid.com

اسلامی قانون سازی میں فقہی اختلافات کا حل

مولانا محمد رفیق چوہدری

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں فقہی اور مذہبی اختلافات موجود ہیں جن کی وجہ سے یہاں اسلامی قانون سازی کے ہر مرحلے پر الجھن اور دشواری پیش آتی ہے اور پھر ہر مسلک کے لوگوں کی طرف سے ان کی فقہ کے نفاذ کا مطالبہ کر دیا جاتا ہے جس سے تلخی اور کشیدگی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

اس صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عام طور پر ہمارے اہل اقتدار نے نفاذ شریعت کے عمل کو صحیح طور نہیں اپنایا ہے۔ پھر کبھی کوئی جزوی کام بطور نمائش کے کر دیا ہے لیکن اصلاح احوال اور نفاذ شریعت کی مکمل تنفیذ نہیں ہو سکی یا پھر مروجہ انگریزی قوانین میں معمولی ردوبدل کر کے اسے "شریعت اسلامیہ" کے نام سے ملک میں نافذ کر دیا ہے۔ اس پر تمام مسالک کے لوگوں نے بالعموم خاموشی اختیار کر کے حکمران طبقے کے من پسند اسلام کو قبول کر لیا ہے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ٹھیک ہے ہماری فقہ اگر نافذ نہیں ہوئی تو کیا ہوا، دوسروں کی فقہ بھی تو نافذ نہیں ہوئی۔ یوں ہمارے ہاں برطانوی عہد کے نظام قانون کا تسلسل جاری ہے اور اس کی عمر طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔

دوسری جانب علمائے کرام کی طرف سے بھی کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار نہیں کیا جاتا جس کے نتیجے میں نفاذ شریعت کا عمل صحیح طور پر بروئے کار لایا جا سکے۔ بلکہ اہل اسلام کا حال اب بقول سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہو گیا ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اِتَّفَقُوْا اَنْ لَّا يَتَّفِقُوْا"

انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ کبھی اتفاق نہیں کریں گے۔

نفاذِ شریعت کے معاملے میں یہی صورت حال ہے کہ اسلامی قانون کے بارے میں اختلافات پیدا کر کے مروجہ کافرانہ نظام قانون پر اتفاق و اکتفا کر لیا گیا ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک کم وبیش یہی کیفیت ہے جس سے ہم دوچار ہیں۔

اگرچہ بعض لوگ تو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آخر ملک میں نفاذِ شریعت کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ نفاذ شریعت کی بات کرنا ایک قسم کی رجعت پسندی، دقیانوسیت اور احمقانہ فعل ہے۔ ایسے لوگوں کے خیال کے مطابق دور حاضر کی کسی جدید ریاست کو اسلام یا کسی اور دین کی بنیادوں پر استوار کرنا اور چلانا نہ ہی مناسب اور معقول ہے اور نہ ہی ممکن ہے۔ پھر ان کے خیال میں پاکستان کا نظام حکومت بھی سیکولر (SECULAR) یا لادین ہونا چاہیئے۔ ایسے لوگوں سے تعرض کا اگرچہ محل نہیں تاہم ان سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر متحدہ ہندوستان سے الگ پاکستان کے وجود کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ اور اگر پاکستان کے قیام کا جواز صرف دین اور وہ بھی دین اسلام تھا تو پھر اس ملک میں "اسلامی قانون" کیوں نافذ نہیں ہونا چاہیئے؟

لیکن جو لوگ فی الواقع اس ملک میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ اور اس کی بالادستی قائم کرنے کی بات کرتے ہیں، خود ان کی طرف سے بھی اسلامی قانون سازی کی راہ میں حائل فقہی اختلافات کو دور کرنے کے لیے اتنی مختلف اور متضاد باتیں کہی جاتی ہیں کہ جن کی موجودگی میں کوئی صحیح راہ عمل متعین نہیں ہوتی اور اس مسئلے کا کوئی تسلی بخش حل سامنے نہیں آتا۔

اس سلسلے میں ذیل میں ہم چند گروہوں کی آراء اور ان کی طرف سے پیش کردہ مختلف حل کا استقصاء کر کے ان پر اپنا محاکمہ پیش کریں گے۔

۱۔ پہلے گروہ کی رائے اور اس کا جائزہ:- اسلامی قانون سازی میں فقہی اختلافات کی حائل رکاوٹ دور کرنے کے لیے

ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ صرف قرآن مجید ہی کو ماخذ قانون مانا جائے اور اس کی روشنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں موجودہ حالات میں سنئے سرے سے اسلام کے فقہی قوانین مدون و مرتب کیے جائیں اس کے ساتھ ساتھ سنت، اجماع اور دوسرے سابقہ اجتہادات کو ازکار رفتہ، فضول اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا جائے۔ اور مغربی جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہونے والی ہر پارلیمنٹ (یا جسے وہ "مرکز ملت" کہتے ہیں) کو اس کام کے لیے اہل مجاز اور با اختیار قرار دیا جائے کہ وہ آج کے حالات کے پیش نظر قرآن کے مطابق جدید قانون سازی فرمائے۔ پھر یہ مردانہ اور زنانہ پارلیمنٹ یا مرکز ملت جس چیز کو خلافِ قرآن قرار دے اسے غیر اسلامی اور کالعدم سمجھا جائے۔ بقول اصغر مرحوم ؎

رند جو ظرف اُٹھالیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

لیکن اس نقطۂ نظر کے حامی لوگوں کی مصیبت یہ ہے کہ وہ بیچارے جس قرآن مجید کو ماخذ قانون بناتے ہیں خود اس کے ہجے بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اتفاق سے اللہ تعالیٰ نے اسے عربی زبان میں نازل کیا ہے اور یہ لوگ عربی زبان نہیں جانتے گویا ؎

زبانِ یارِ من ترکی و من تُرکی نمی دانم
چہ خوش بُودے اگر بودے زبانش در دہانِ من

زیادہ سے زیادہ ان کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ انگریزی زبان میں قرآن مجید کا کوئی ترجمہ پڑھ لیتے ہیں اور ان میں جو زیادہ "تعلیم یافتہ" ہیں وہ اردو ترجمے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے جن علوم کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے مثلاً علم صرف و نحو، اصول تفسیر علم بیان و معانی علم اسباب نزول آیات، علم ناسخ و منسوخ اور علم قرارت وغیرہا، ان تمام علوم سے یہ حضرات "کما حقہ" بے بہرہ ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ اس کے باوصف اپنے آپ کو اسلامی مفکر اور دانشور سمجھنے کے جہل مرکب کا شکار ہیں۔

پھر دوسری طرف یہی لوگ سنت اور اجماع کی مسلمہ دستوری اور قانونی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہیں یہ خبر ہی نہیں کہ آج جس ذریعے (SOURCE) سے قرآن کا قرآن ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی ذریعے سے سنت کا سنت ہونا ثابت ہے۔ پھر کیوں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ذریعے سے حاصل شدہ دو حقیقتوں میں سے ایک حقیقت کو مان لینا اور دوسری حقیقت کا انکار کر دینا جائز ہو سکتا ہے؟ وہ اگر گواہ کو سچا اور ثقہ تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کی آدھی گواہی کو کیوں درست قرار دیتے اور آدھی گواہی کو کیوں غلط ٹھہراتے ہیں؟ اور کیا ایسا طرزِ عمل علمی اور معقول ہو سکتا ہے؟ اسے تو صرف ہٹ دھرمی اور جھگڑالو پن کہا جائے گا۔

یاد رکھیے جو شخص آج سنت کی حجیت (AUTHORITY) سے انکار کرتا ہے وہ دراصل قرآن کی حجیت (AUTHORITY) سے انکار کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جو آدمی سنت کو نہیں مانتا وہ درحقیقت قرآن کو بھی نہیں مانتا یہ گروہ اصل میں دل میں اسلام کی حکمرانی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے من کی حکمرانی کو تسلیم کرتا ہے لیکن قرآن کا نام اس لیے لیتا ہے تاکہ اسے کہیں بے دین، ملحد اور مغرب زدہ قرار نہ دیا جائے اور پھر دین کے بارے میں ان کی رائے بے وزن نہ ہو جائے۔ قرآن مجید کی من مانی تفسیر کر کے اسے موم کی ناک بنا دینا چاہتا ہے۔ یہ تجدد پسند لوگ دین کو اپنا رہبر نہیں اپنا پیروکار سمجھتے ہیں۔

پھر اس گروہ کی طرف سے موجودہ حالات میں پارلیمنٹ یا نام نہاد "مرکز ملت" کو اسلامی قانون سازی کا اختیار دینا بھی محل نظر ہے۔ ہمارے ہاں دولت ذات برادری اور دوسرے ذرائع اثر و رسوخ کے بل بوتے پر جس طرح کے لوگوں کی اکثریت اسمبلیوں میں جاتی ہے اور جن کی تعلیم اور جن کے کردار کا کوئی مناسب معیار مقرر نہیں ہوتا۔ کیا ایسے لوگ اس بات کے اہل ہیں کہ وہ اسلامی قانون سازی کی ذمہ داری اٹھا سکیں؟ اگر وہ اس کے اہل ہیں تو پھر دنیا میں کوئی کسی کام کے لیے نااہل نہیں ہے۔

پھر اس گروہ کا یہ خیال کہ دین اسلام پر "ملا" کی اجارہ داری ہے جسے ختم کیا جانا ضروری ہے ایک نہایت لغو خیال ہے۔ ہمارے ملک کا ملا بھارت کا برہمن نہیں ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کے لیے علم و عمل کے دروازے بند کر رکھے ہوں۔ یا اگر ہمارا کوئی مرد یا ہماری کوئی عورت علم دین سیکھنا چاہے تو ملا اسے اس کا موقع فراہم نہیں ہونے دیتا۔

رہی یہ بات کہ دین اسلام کی تشریح و تعبیر کا حق صرف علمائے دین کو حاصل ہے تو یہ ایک معقول بات ہے۔ اور اسے یوں کہنا کہ دین پر ملا کی اجارہ داری ہے ایک نامعقول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات ہے۔ اگر دین پر ملا کی اجارہ داری ہے یا پھر یہاں کون سا کام ہے جس پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری نہیں ہے کیا علاج معالجے پر اطباء اور ڈاکٹروں کی، آئین و قانون کی تشریح و تعبیر پر وکلاء اور ججوں کی، انجینیئرنگ پر انجینیروں کی، ہوائی جہازوں کو چلانے پر پائلٹوں کی، صنعت سازی پر صنعت کاروں کی، زمین کاشت کرنے پر کاشتکاروں کی اور مزدوری کرنے پر مزدوروں کو اجارہ داری حاصل نہیں ہے؟ پھر اگر ان تمام اجارہ داریوں کے خلاف کوئی نہیں بولتا اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی تحریک چلاتا ہے تو بعض لوگ صرف ملّا کی اجارہ داری پر کیوں سیخ پا ہوتے ہیں؟

پھر جس طرح دوسرے کاموں اور شعبوں میں مناسب اہلیت پیدا کر کے ہر شخص حصہ لے سکتا ہے اور اس کی رائے کو اہم اور وقیع سمجھا جائے گا۔ تو اسلامی قانون اور دینی معاملات کو سمجھنے کی اہلیت پیدا کرنے والے ہر آدمی کو دین کے بارے میں رہنمائی کا منصب کیوں حاصل نہیں ہو سکتا اور اس کی رائے کو کیوں معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔

الغرض اس گروہ کا یہ نقطہ نظر کسی طرح بھی معقول اور مناسب نہیں ہو سکتا اور اسلامی قانون سازی میں فقہی اختلافات کو دور کرنے کے لیے ان کی طرف سے پیش کردہ حل کسی طور بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ تو بے دینی اور الحاد کو دین سمجھنا اور ضلالت کو ہدایت گردانتا ہے۔

۲۔ دوسرے گروہ کی رائے اور اس کا جائزہ:- بعض لوگوں کے نزدیک اسلامی قانون سازی میں فقہی اختلاف کو حل کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ سرے سے کسی فقہ ہی کو تسلیم نہ کیا جائے، نہ کوئی فقہ مدون کی جائے اور نہ ہی نافذ کی جائے۔ صرف حکومت کی طرف سے یہ اعلان ہو کہ آج سے ملک میں کتاب و سنت کا قانون چلے گا اور باقی قوانین از خود کالعدم قرار پائیں گے۔ کتاب و سنت کے قانون کی تشریح و تعبیر علمائے دین اور قاضی حضرات کیا کریں گے جو اپنی بصیرت اور صوابدید کے مطابق ہر معاملے کا فیصلہ کتاب و سنت کی روشنی میں فرما دیا کریں گے۔ بس اللہ اللہ خیر سلّا۔ نہ اسلامی قانون کی تدوین (CODIFICATION) کی ضرورت ہے اور نہ سابقہ فیصلوں کو محفوظ رکھ کر انہیں نظائر (PRECEDENTS) بنانے کی حاجت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نقطۂ نظر کا حامل گروہ اپنے مؤقف کے حق میں دورِ صحابہ کی مثال دیتا ہے کہ اس دورِ مبارک میں نہ تو کوئی معین فقہ رائج تھی، نہ کوئی فقہ مدون کی گئی تھی۔ فقط کتاب و سنت ہی دستور و قانون تھا اور قاضی حضرات اس کے مطابق تمام معاملات میں فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ اس گروہ کی رائے کے مطابق فقہی اختلافات واقعی ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ جب کوئی فقہ ہی باقی نہ رہے گی تو فقہی اختلاف کہاں سے پیدا ہوگا۔ گویا "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" والا معاملہ ہوگا۔

یہ گروہ ایک اور دلیل بھی پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ فقہ کی تدوین کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جو توسع اور رخصتیں موجود ہیں وہ بھی تدوین فقہ کے بعد ختم ہو جائیں گی اس میں منشائے شریعت پورا نہیں ہوگا اور ہم اللہ کی دی ہوئی اس نعمت سے محروم ہو جائیں گے۔ قاضی مجبور ہوں گے کہ صرف مدون قانون کی پیروی کریں خواہ ان کو حق و انصاف اس کے باہر نظر آئے۔ یوں عدل کا تقاضا بھی کما حقہ، پورا نہیں ہوگا۔

لیکن پیش آمدہ مسئلے کا یہ حل بھی صحیح نہیں ہے اور اس میں بھی بہت سی عملی پیچیدگیاں ہیں جن کو دور کرنا آج کے دور میں ممکن نہیں ہے۔ مثلاً - ۱۔ آج دورِ صحابہ جیسے علم و تفقہ اور تقویٰ کے حامل قاضی صاحبان کہاں سے ملیں گے جو اتنی مجتہدانہ بصیرت کے مالک ہوں کہ کتاب اللہ کے احکام پر کامل استحضار رکھتے ہوں، احادیث کے پورے ذخیرے پر جن کی گہری نظر ہو اور جو کتاب و سنت کے توسعات اور رخصتوں میں سے بھی مناسب اور عادلانہ تعبیر کو اختیار کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور پھر ہر معاملے میں حق کو معین بھی کر سکتے ہوں۔ اگرچہ ایک بہتر نظام تعلیم اور اصلاح یافتہ معاشرہ آج بھی اچھے اور قابل افراد پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج معاذ بن جبلؓ اور قاضی شریح جیسے جج پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آج کی عدالتوں کی سہولت اور رہنمائی کے لیے فقہ اسلامی کی تدوین ضروری ہے اور قانون کی تعلیم اور نصاب بھی اس ضرورت کا تقاضا کرتا ہے تدوین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ سے شریعت کی وسعت بھی تنگ نہیں ہو گی بلکہ آج کے دور میں علم و کردار کے عام زوال کی وجہ سے نفاذ شریعت کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اگر ایک قاضی مدون قانون سے ہٹ کر فیصلہ کرنا چاہیے ہے تو اسے غور کرنا چاہیئے کہ یہ اس کی انفرادی رائے اور تفرد ہے اور ایک جماعت علماء کے مدون قانون سے بڑھ کر اس کی اہمیت نہیں ہو سکتی اور اقرب الی الصواب اور محفوظ راہ بہر حال جماعت ہی کی ہو سکتی ہے نہ کہ ایک فرد کی۔

۲۔ یہ صحیح ہے کہ جو فقہ بھی مدون ہو گی وہ علمائے دین اور ماہرین قانون کے ایک قلیل گروہ ہی کی طرف سے ہو گی۔ گویا یہ مدون قانون بھی ایک طرح کا اجتہاد ہو گا جو ایک اقلیت کے ہاتھوں مسلمانوں کی اکثریت پر نافذ ہو گا لیکن یاد رہے کہ تدوین فقہ اگر نئے سر سے اجتماعی طور پر ہو اور اہل علم و تفقہ کے ذریعے ہو اور ملک کے ارباب حل و عقد کی تائید سے ہو تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک ملک کے علماء کا اجماع اس ملک کے عامۃ المسلمین کے لیے ناقابل قبول ہو بلکہ یہ کام بالکل جائز اور شریعت میں عین مطلوب ہے کیونکہ ایک علاقے کے علماء کا اجماع وہاں کے لوگوں کے لیے حجت شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ کسی مدون قانون اسلامی کے بغیر ایک جیسے مقدمات میں بھی عدالتی فیصلے مختلف غیر یکساں اور ناہموار طریقے سے ہوں گے۔ اور زیادہ امکانات اور توقعات کی موجودگی میں اس دور کے قاضیوں کے لیے بدعنوانی کے مواقع بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

۴۔ **تیسرے گروہ کی رائے اور اس کا جائزہ:** تیسرے گروہ کے نزدیک اسلامی قانون سازی میں فقہی اختلافات کے حل کا یہ طریقہ ہے کہ چونکہ فقہ حنفی کو اس ملک کی اکثریت تسلیم کرتی ہے اور اس کی پیروکار ہے لہٰذا قانون ملکی (PUBLIC LAW) فقہ حنفی کے مطابق ہونا چاہیئے اور یہاں پر فقہ حنفی نافذ کر دی جائے اور باقی اہل مسالک کے شخصی معاملات ان کے قانون شخصی PERSONAL LAWS کے مطابق طے کیے جائیں۔

یہ گروہ اپنے حق میں بعض مسلمان ممالک کی مثالیں دیتا ہے کہ جہاں اکثریت کی فقہ نافذ ہے مثلاً ہمارا ہمسایہ ملک ایران ہے جہاں پر ملکی قانون شیعی اکثریت کی فقہ کے مطابق ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصی قانون میں اقلیتی گروہ ـــ اہل سنت کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔

لیکن اس حل سے بھی زیر بحث مسئلہ حل نہیں ہوتا اور اس کے نتیجے میں بھی الجھنیں پیش آتی ہیں جن کا تدارک ممکن نہیں ہے۔

۱۔ اگرچہ ہمارے ملک میں فقہ حنفی کے پیروکاروں کی اکثریت ہے لیکن دو اہم گروہ ـــ اہل حدیث اور شیعہ ـــ فقہ حنفی کو تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا فقہ حنفی کے نفاذ سے ان دونوں طبقوں میں قدرتی طور پہ بے چینی پیدا ہوگی اور یہ بے چینی اتحاد ملت کیلیے بہت نقصان دہ ہوگی

۲۔ فقہ حنفی کے نفاذ سے مذکورہ بالا دونوں طبقے یہ تاثر لیں گے کہ پھر ملکی دستور و قانون میں ان کی حیثیت ایک غیر مسلم اقلیت سے بڑھ کر نہیں رہتی۔ کیونکہ جہاں تک شخصی قانون کا تعلق ہے تو اس کے تحفظ کا حق یہاں کی تمام غیر مسلم اقلیتوں کو حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مسلم گروہوں کو اپنی اس پوزیشن کے اندر اپنے لیے توہین و انتقاد کا پہلو نظر آئے گا جس کا نتیجہ کسی صورت میں بھی خوشگوار نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا فقہ حنفی کا نفاذ بھی ہمارے ہاں کے فقہی اختلافات کو حل کرنے میں کوئی مدد نہیں دیتا۔

ہماری رائے | ہمارے نزدیک ملک میں اسلامی قانون سازی کی راہ میں حائل فقہی اختلافات کو دور کرنے کا صحیح اور محفوظ طریقہ یہ ہے کہ جہاں تک قانون ملکی ( ) کا تعلق ہے وہ صرف اکثریتی گروہ ـــ اہل سنت (جس میں احناف اور اہل حدیث شامل ہیں) کے عقائد و نظریات پر مبنی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلاف صرف فقہی ہی نہیں بلکہ اعتقادی بھی ہے، لہٰذا اس الجھن کا علاج سوائے اس کے ممکن نہیں ہے جو ہم نے پیش کیا ہے اور عہد حاضر میں یہ ایک معقول طریقہ ہے جسے بالعموم ہر جگہ اختیار کیا گیا ہے کہ قانون ملکی (PUBLIC LAW) اکثریتی گروہ کے معتقدات و نظریات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ہمارے ہمسایہ ملک ایران میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہاں کا قانون ملکی شیعی نظریات کا آئینہ دار ہے۔ لہٰذا ہمارے ملک کا قانون ملکی بھی اہل سنت کی اکثریت کے اعتقادات کا آئینہ دار ہونا چاہیئے اور اقلیتی گروہ کو شخصی معاملات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں آئینی تحفظات حاصل ہونے چاہییں۔

دوسری طرف اہل سنت کے تمام گروہوں کو اپنا ایک ہی ادر شخصی قانون بنانے کے لیے اپنے نمائندہ، معتمد اور مستند علمائے دین پر مشتمل ایک مجلس یا بورڈ تشکیل دینا چاہیے جس میں جدید ماہرین قانون بھی شامل ہوں اور یہ اسلامی مجلس قانون ساز ہر قسم کے گروہی اور فقہی تعصبات سے بالاتر ہو کر ملکی قانون بنانے کے لیے ایک نئے اسلامی فقہ کا مجموعہ مدون کرے جس کے رہنما اصول یہ ہوں۔

۱- کتاب وسنت کو بنیادی ماخذ قانون بنایا جائے اور نصوص پر مبنی تمام احکام وقوانین کا ایک ضابطہ تیار کیا جائے۔

۲- اجماع صحابہ اور اجماع امت کے تمام فیصلے، جن میں ائمہ مجتہدین کی متفقہ آراء بھی شامل ہوں، ان سب کو شریعت کا قانون قرار دے کر مدون کیا جائے۔

۳- اس کے علاوہ اختلافی اور جدید مسائل کو حل کرنے کے لیے مذکورہ مجلس علمائے امت کے اجتہادات کی روشنی میں اپنے فیصلے صادر کرے اور یہ فیصلے بھی نئے مجموعۂ قوانین میں شامل کیے جائیں۔

اس کے بعد قاضی حضرات تمام معاملات میں فیصلہ دینے کے لیے کتاب وسنت کے نصوص، اجماع صحابہ، اجماع امت، ائمہ مجتہدین کی متفقہ آراء اور اسلامی مجلس قانون ساز کے فیصلوں کے پابند ہوں۔ دوسرے الفاظ میں ان تمام نچج شرعیہ پر مبنی نئے مجموعۂ قوانین کی پابندی تمام قاضی صاحبان کے لیے لازم ہو۔

اس کے علاوہ باقی امور میں نئے حالات کے اندر قاضی حضرات اسلامی مجموعۂ قوانین کی روشنی میں آزادانہ فیصلے دینے کے مجاز ہوں۔

حاصل یہ کہ ہمارے ہاں اسلامی قانون سازی میں فقہی اختلافات کو حل کرنے کے لیے نہ تو یہ طریقہ صحیح ہے کہ صرف قرآن مجید کو ماخذ قانون قرار دے کر ہر اہل و نااہل کو اس کی تشریح وتعبیر کا حق دے دیا جائے۔ نہ ہی آج یہ طریقہ مناسب ہے کہ بغیر کوئی مجموعہ قوانین اسلامی مرتب کیے موجودہ دور میں ججوں اور قاضیوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ صرف کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسنت کی روشنی میں ہر قسم کے معاملات کا فیصلہ دیں اور نہ ہی یہ درست ہے کہ فقہ حنفی کو اکثریت کا مسلک سمجھتے ہوئے نافذ کیا جائے ۔ بلکہ ہمارے موجودہ حالات میں قابل عمل، محفوظ اور اقرب الی الصواب طریقہ یہی ہے کہ اعتقادی اختلاف رکھنے والے شیعہ گروہ کے شخصی قانون (PURSONAL LAWS) کو آئینی تحفظ دے کر اہل سنت (احناف اور اہل حدیث) کے عقائد و نظریات پر مبنی ملکی قانون (PUBLIC LAW) از سر نو مدون کیا جائے ۔ اس کے لیے اہل سنت کے تمام گروہوں کے علماء اور ماہرین قانون ہر قسم کے فقہی اور گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر چند متفقہ رہنما اصولوں کے مطابق (جن کی وضاحت اوپر بیان کی گئی ہے) جرأت اور حوصلے کے ساتھ ایک نیا مجموعہ قوانین اسلامی مرتب کریں

ہماری رائے میں صرف اسی طریقے سے ہم اپنی موجودہ مشکل کو حل کر سکتے ہیں اور پاکستان میں صحیح اسلام قانون و شریعت کو نافذ کر سکتے ہیں لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر یہاں پر ہمیشہ طاغوت کے قانون کی حکمرانی رہے گی اور تاریخ میں یہ لکھا جائے گا کہ جنوبی ایشیاء میں ایک ایسی مسلمان قوم آباد تھی جس نے اسلام اور اسلامی قانون کے نفاذ کی خاطر بیشمار قربانیاں دے کر پہلے ایک آزاد ملک حاصل کیا اور پھر اپنی نا اہلی اور نا اتفاقی کی وجہ سے اس ملک میں نفاذ اسلام سے قاصر رہی اور ہر معاملے میں غیروں کی محتاج اور دست نگر بن گئی ۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ"۔

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں

بقول حالی مرحوم ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

© rasailojaraid.com